درویش حسین والہ ہروی

ایک تعارف

ڈاکٹر غلام مجتبیٰ انصاری صاحب شعبۂ فارسی ٹی۔ ان۔ بی۔ کالج، بھاگلپور

مغل بادشاہوں کا عہد ہندوستان میں فارسی شاعری کا زرین ترین عہد مانا جاتا ہے۔ علم و ادب، شاعری اور تہذیب و تمدن کے میدان میں مغل بادشاہوں اور امیروں کے قابلِ تحسین کارنامے آج بھی ملک کے تمام گوشوں میں موجود ہیں۔ ان بادشاہوں اور امیروں نے نہ صرف یہ کہ بڑی بڑی فتوحات کے ذریعہ اپنی سلطنت کو وسیع تر بنایا بلکہ ہندوستانیوں کی زندگی میں ایک نئی روح ڈالتے ہوئے تہذیب و تمدن کا بیش بہا خزانہ بھی انھیں عطا کیا۔ اکبر اور اس کے بعد کے تمام بادشاہوں نے اپنی زندگی کا معتد بہ حصہ ادب اور مختلف فنون کی ترقی میں صرف کر دیا۔ یہ انھیں بادشاہوں کے ذوق و شوق اور فیاضیوں کا نتیجہ تھا کہ ایران سے بے شمار شعرا اور فنکار ہندوستان میں وارد ہوتے۔ چنانچہ انھیں لوگوں کی طرح درویش حسین والہ ہروی بھی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی شناخت اور انعام و اکرام کی توقع لے کر جہانگیر بادشاہ کی حکومت کے آخر زمانہ میں ہندوستان آیا اور تا دم مرگ اسی سرزمین میں رہا۔

نام: والہ ہروی کے حالات زندگی بہت کم تذکروں میں دستیاب ہوتے ہیں۔ اپنے دیوان مخطوطہ کے دیباچہ میں وہ خود ہی اپنا نام درویش حسین والہ ہروی ظاہر کرتا ہے اور اپنے متعلق یوں رقمطراز ہے ؎

"دبستان خلقت و نو آموز مکتب فطرت وارستہ از کشمکش تعلق و تجرد درویش حسین"[1]

---

[1] دیوان والہ ہروی مخطوطہ (خدا بخش خاں لائبریری، بانکی پور، پٹنہ) کیٹلاگ ۲۲۲

ہروی بجہت تذکرہ خود رسید و برای تبصرہ خود در دیوان می خواست[1]

متذکرہ بالا دیوان میں وہ کئی مقامات پر اپنا پورا نام خود نے لکھتا ہے مثلاً ؎[2]

درویش حسین ہروی آنکہ در آموخت افلاک پریدن سبق افلاک پر ا نزا

اسی دیوان میں ایک دوسری جگہ وہ اپنا پورا نام رباعی میں ظاہر کرتا ہے ؎

درویش حسین والہ صبح وصال ای مہر چہار بالش اوج کمال

خواہم کہ بنور تو رسم چون سایہ لیکن چہ کنم کہ شخص من گشتہ وبال[3]

کچھ تذکرہ نگاروں نے اس کا نام صرف "درویش" یا "محمد درویش" لکھا ہے حالانکہ اس کا پورا نام درویش حسین اور تخلص "والہ ہروی" تھا جیسا کہ مذکورہ اشعار میں مشاہدہ کیا گیا۔ والہ ہروی کے ہم عصر شاعر مرزا بیدل اپنی مشہور کتاب "چہار عنصر" میں والہ ہروی کی تعریف زوردار الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور اس کا نام "درویش حسین"[4] بتاتے ہیں۔ ملا سید اشرف ماژندرانی کے ایک شاگرد لالہ چنپت رائے نے اول الذکر کے کچھ خطوط اپنی کتاب "مفید الانشا" میں ترتیب دئے ہیں ان میں سے ایک خط میں اشرف ماژندرانی والہ ہروی کی ایک رباعی نقل کرتے ہوئے اس کا نام مولانا درویش حسین بتلاتے ہیں[5]۔

تاریخ پیدائش | والہ ہروی کی پیدائش کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ملتا لیکن دیوان میں موجود اسکے ایک قطعہ سے اسکی تاریخ پیدائش پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ اس قطعہ سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اسکا ایک لڑکا مسمی محی الدین ۱۰۶۶ھ کے پانچویں ماہ میں بروز جمعرات پیدا ہوا تھا۔ اور اس وقت خود اسکی عمر پچاس برس کی تھی۔ قطعہ کے آخری مصرع

[1] دیباچہ دیوان ہذا، ورق ۱ب [2] دیوان مرتبہ خاکسار، ص ۱۲۵ (پٹنہ یونیورسٹی لائبریری) انگریزی زبان میں

[3] ایضاً ص ۲۲۴

[4] چہار عنصر مخطوطہ، ورق ۴۳ اور ۴۴، خدا بخش خاں لائبریری، بانکی پور، پٹنہ

[5] مفید الانشاء مخطوطہ ورق ۶۹ ایضاً

سے اس لڑکے کی پیدائش کا سنہ ۱۰۴۰ھ نکلتا ہے اور اس کے دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں والہ خود اقرار کرتا ہے کہ اس کی عمر اس وقت پچاس سال کی تھی اس طرح ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ والہ ہروی کی پیدائش سنہ ۹۹۰ھ میں ہوئی ہوگی۔ قطعہ مذکور ملاحظہ ہو:

جمیدثانی واز ماہ پنجم روز پنجشنبہ ——— کہ والہ را چراغ دیدہ روشن کرد مقصودش
قریب گام پنجاہ از طریق عمر پیمودہ ——— جوانی از جوان تازہ ای بخشید معبودش
بمحی الدین مسمی کردش خواہم چو ہمنامش ——— بجود مشغول دارد آنکہ گردانید موجودش
جمل دان فرد سال تولد ار رقم زن شد ——— بالفاظی کہ نقلی بود از آنہا اسم محمودش
بہر حرفی زنامش یک عدد بر داشتہ گفتا شد ——— "بمحی الدین قرین باد اسعاد" سال مولودش[1]

جائے پیدائش | اس شاعر کی پیدائش صوبہ خراسان کے ایک شہر ہرات[2] میں ہوئی تخلص ہروی" خود اس بات کی شہادت پیش کرتا ہے کہ اس کا تعلق ہرات سے تھا جس کے لئے اس کے دل میں ہمیشہ والہانہ محبت رہی وہ جب تک ہندوستان میں زندہ رہا اپنی جائے پیدائش ہرات کے لئے بے قرار رہا اور اس کی جدائی میں غم کے آنسو بہاتا رہا اور وطن واپس جانے کی خواہش دل میں دباتے ہوئے یہیں فوت بھی ہو گیا۔ اعتماد الدولہ کی شان میں ایک قصیدہ لکھتے ہوئے ہرات واپس جانے کی شدید خواہش کا اظہار وہ ان لفظوں میں کرتا ہے ؎

صاحبا! ہیچمداں بندۂ ایں درِ والہ ——— مدتی رفت کہ از مسکنِ مالوف جداست
بس کہ بربادِ ہری ریختہ از دیدہ سرشک ——— خار خشک فرہ اش بعد دلنشو و نماست
گرچہ صعب است رسیدن بہراتش اما ——— قصہ کوتاہ کہ در دستِ تو و دستِ خداست[3]

اس کے دیوان سے چند اشعار اس بات کے ثبوت میں کافی ہوں گے کہ وہ ہرات کا باشندہ تھا

---

[1] دیوان مرتبہ خاکسار ص ۱۴۳ (پٹنہ یونیورسٹی لائبریری)

[2] ہرات اس وقت افغانستان کا ایک شہر ہے جو قدیم زمانہ میں ایران کا ایک حصہ تھا۔

[3] دیوان، ص ۲۴۴

جو خراسان میں واقع ہے اور جس کے لئے ہندوستان میں رہ کر وہ زندگی بھر غم جدائی کے آنسو بہاتا رہا مگر وطن واپس نہ جا سکا ۔

حسن ہر جا کہ بر آورد سری دید مرا ۔۔۔ گفت با عشق کہ در ہند خراسانی است[1]

یاد ہراتم از دل محزون نمی رود ۔۔۔ لیلیٰ برون ز خاطر مجنون نمی رود[2]

زوالہ چند پرسی کہ گدای کشوری برگو ۔۔۔ ز ایرانم تعالی شانہ لیکن از خراسانم[3]

ندیدہ دید ہری عمر صرف شد بتمامی ۔۔۔ نبرد دوزخ غربت ز طبع زحمت خامی[4]

آباو اجداد والہ ہروی نے اپنے دیوان میں مختلف مقامات پر اپنے والد بزرگوار کی تعریف کی ہے اور ان کی روحانی عظمت اور بزرگی کا ذکر زوردار الفاظ میں کیا ہے ایک جگہ طویل نظم میں وہ اپنے والد بزرگوار کا نام شیخ غلام علی بتاتا ہے ۔

امام صومعہ شیخ جہاں غلام علی ۔۔۔ بفقر فقر بری ز احتیاج امکانی

ستودہ والد و شایستہ مرشد والہ ۔۔۔ وجود آگہی و معنی مسلمانی[5]

اس کے دیوان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے والد شیخ غلام علی بہت متشرع اور پارسا تھے اور یہ کہ عوام کے درمیان ان کی کافی عزت اور احترام تھا وہ سحر خیز تھے اور صبح کی عبادت بلاناغہ کرتے تھے ان کے اوقات ہمیشہ عبادت و ریاضت میں گذرتے تھے ۔

شبی نرفت بسوی سحر کہ دیدۂ او ۔۔۔ نداشت برور صبح نخست دربانی

نبرد تا بدر شام ہیچ صبحدمی ۔۔۔ بپای روز بجز راہ ذکر یزدانی

---

[1] دیوان ص ۲۱۹

[2] ایضاً ص ۲۸۱

[3] ایضاً ص ۳۴۰

[4] ایضاً ص ۳۸۸

[5] ایضاً ص ۹۴ [6] ایضاً ص ۹۴

بشیخ قضا اقضا مرد قدر را قدر — شیخ غلام علی منتہی از منتہا
در صف لب آمال چوں تو کم آمد بلی — ہست فزوں حد عدد مبتدی از مبتدا
بادمسیح است باد یادم جاں بخش تو — قفل زدالتماس تو بر در دار الشفا
گرچہ ازیں خاکداں جاں در حق شدی — فیض تو باقی بود چوں پدران سما[1]

والہروی کے والد کی زندگی خدا پرستی پر مشتمل تھی وہ اپنے زمانہ کے جید عالم تھے اور علم وفضل میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا بقول والہ اگران کے والد کا خرقہ زمین پر گرجاتا تو اس کو اٹھانے کے لئے کعبہ خود اپنی جگہ سے دوڑ پڑتا۔ اس کے والد علم وفضل کے ایسے سمندر تھے جس کی لہریں فلاطون جیسے عالم وفاضل کی کشتی علم وفضل کو چور کر ڈالتیں ؎

کس راز فاضل ہری چوں پدر نیست — تصدیق دریں مسئلہ حق شد دیگر انرا
درویش غلام علی او مرد کہ در فقر — نفی از دگری کرد بمعنی دیگر انرا
شیخ است کہ چوں خرقہ اش از دوش بیفتد — از جا بدود کعبہ بہ برداشتن آنرا
بحریست ز دانش کہ گہی موجۂ گفتار — کشتی شکند فضل فلاطوں ہنر انرا[2]

<u>والہ کی ابتدائی تعلیم</u> والہروی نے کہاں اور کس طرح اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی، یہ کہنا بہت مشکل ہے کیوں کہ تذکرے اس معاملے میں بالکل خاموش ہیں لیکن داخلی شہادت اس سلسلہ میں زیادہ معتبر ہے خود اس کے اشعار کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ابتدائی تعلیم اس نے خود اپنے والد بزرگوار شیخ غلام علی سے حاصل کی جو اس کے استاد بھی رہے اور بے شک ہرات ہی وہ جگہ ہے جہاں شروع میں اس کی تعلیم وتربیت ہوئی ؎

جل شانہ ہری از جملۂ آفات مصون — کردہ ہم مولدی ام در خورد ہم منشائی[3]

---

[1] دیوان ص ۹۳

[2] ایضاً ص ۱۲۰

[3] ایضاً ص ۵۷

اس کے اشعار سے یہ کہیں پتہ نہیں چلتا کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے والہراتی سے باہر گیا اس کے والد ہی اس کے استاد اور رہبر رہے جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر سے پتہ چلتا ہے[۹]

پیرمن است وپدر مرشد واستاد من　　　داده زمبدا خبر چون خبر از مبتدا[۱]

والہروی کے دوسرے اُستاد مرزا فصیحی انصاری تھے جن کا ذکر وہ اپنے دیوان کے مختلف مقامات پر نہایت ادب واحترام کے ساتھ کرتا ہے نہ صرف دیوان کے دیباچہ میں بلکہ اصناف سخن کے ہر حصے میں خواہ قصیدہ ہو، غزل ہو، ترجیع بند ہو یا رباعی وہ اپنے اس اُستاد کی تعریف بڑے شد ومد سے کرتا ہے۔ دیباچۂ دیوان سے اس سلسلہ کا ماخذ ملاحظہ کریں ؎

حضرت استادی وافتخاری وسندی میرزا فصیحی الحسینی الانصاری ادام اللہ برکاتہ افاضتہ القیام القیام :

حبذا روز و روزگار سخن　　　خامہ و فکر را درود از من
آمد آب سخن بجوی قلم　　　از رہ چشمۂ سارقاف قلم
در گہی کہ زیر عرش خدا　　　از سخن بود بر سخن شدوا
شد ثنا فرض چرخ وارکانرا　　　مرد میدان علم وعرفانرا
سایۂ معنی مسیحی را　　　عقل کل میرزا فصیحی را
مصطفیٰ زاده مرتضیٰ پیوند　　　زان پدر این چنیں سزد فرزند
در جنت بود لب و دہنش　　　حور و غلمان عبارت وسخنش[۲]

والہروی کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے استاد کا ایک نہایت سعادت مند اور لائق شاگرد تھا اور یہ کہ اس کے استاد فصیحی کو خود اس کی شاگردی پر بڑا ناز تھا چنانچہ وہ اس کو قریب تر رکھتا

---

۱ دیوان ص ۹۳

۲ دیباچہ دیوان ص ۲

تھا اور اپنے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ محبت اسی سے کرتا تھا ؎

او بشاگردیم تفاخر کرد شب ام از تربیت در کرد
بستود از بزرگی خویشم داشت از جملہ بندگان پیشم[1]

اسی دیباچہ دیوان میں آگے چل کر اپنے استاد کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی نثر نگاری پر کوئی حرف نہیں رکھ سکتا اور اس کی نظم تمام عیوب سے پاک ہوا کرتی ہے۔ اصناف سخن کے ماہرین جب تک مرزا فصیحی سے اجازت نہیں لے لیتے اور قبولیت حاصل نہیں کر لیتے تب تک اپنے اشعار کو رواج عام نہیں دے سکتے ؎

"ناقدانِ دار العیار معنی نقد سخن را تا بر محک سماع او عرض نکنند و لسکہ قبول او نرسانند زیور سماع در روز بازار روایتی نپذیرد"[2]

والہروی کا مقام | فارسی کی دنیائے شاعری میں والہروی کا مقام مسلم ہے اس کے عہد کے مشہور و معروف ادیبوں اور شاعروں نے اس کی تعریفیں کی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا "مفید الانشاء" کے ایک خط میں ملا سعید اشرف ماژندرانی رقمطراز ہیں کہ والہروی سے ان کے ذاتی تعلقات تھے اور بھی آگے لکھتے ہیں کہ والہروی نہ صرف عربی زبان میں ماہر تھا بلکہ فارسی شاعری کو بھی درجۂ کمال تک پہنچا دیا ؎

من ہم با او آشنا بودم آں عزیز علاوہ علوم عربیہ رتبۂ شعر را بکمال رسانیدہ بود و از علائق دنیوی فی الحقیقت وارستگی تمام داشت"[3]

مرزا بیدل نے اپنے سفر بنگالہ کے دوران والہروی سے ملاقات کی تھی اس خاص واقعہ کو مرزا نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "چہار عنصر" میں بیان کیا ہے کتاب مذکور کی عبارتوں کے

---

[1] دیباچہ دیوان، ص ۲

[2] ایضاً

[3] مفید الانشاء، (خدابخش خاں لائبریری، بانکی پور پٹنہ) ص ۶۹

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل والہ ہروی کی شاعرانہ صلاحیت سے بہت متاثر ہوئے تھے اور اس کے فن خطاطی کو بھی بہت پسند کیا تھا[1] اپنی ایک رباعی میں والہ خود ہی اپنے مقام کا تعین ان الفاظ میں کرتا ہے ؎

درویش کہ در ملک سخن سلطانست — از فضل و ہنر نادرۂ دورانست
چوں آئینہ صاف دل بود باہمہ کس — از خوبانست و والہ خوبانست[2]

والہ ہروی نے شاعری کے تقریباً تمام اصناف میں اپنی غیر معمولی صلاحیت کا اظہار کیا ہے اس کی شاعری کے مطالعہ کے بعد اس کے جینیس کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی شاعری کا انداز بیان نہایت سادہ اور رواں ہے تخیلات عام طور سے مہذب اور مستحسن ہیں اور زبان شاعری سادہ، عام فہم اور تکلفات سے بری ہے سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ والہ ہروی ایک ایسے دور میں زندگی بسر کرتا تھا جس میں شاعری کو بیجا تکلفات و تصنعات کے زیور سے آراستہ کرنا ایک عام دستور بن گیا تھا، خاقانی، انوری اور فیضی کی شاعری میں ہمیں بے جا تکلفات کے التزامات عام طور سے دیکھنے کو ملتے ہیں سبک ہندی کی یہی نمایاں خوبی ہے اور اس طرح کی شاعری کا رواج والہ ہروی کے زمانہ میں عام طور پر پھیل چکا تھا لیکن والہ ہروی کی شاعری اس نہج سے بالکل الگ ہے اس کی شاعری سادہ مگر اثر انگیز ہے اس کی شاعری کے الفاظ خالص اور عام فہم ہیں۔ اس زمانہ کے رائج محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال نے اس کی شاعری کو زوردار اور پرجوش بنا دیا ہے والہ کو اس بات کا بالکل شوق نہیں تھا کہ اپنی شاعری کو خواہ مخواہ پر تکلف اور پر تصنع بنا کر پیش کرے یہی وجہ ہے کہ ہم اس کی شاعری میں بعید از قیاس تشبیہات و استعارات کا استعمال نہیں دیکھتے۔ اس کی شاعری میں جہاں کہیں تشبیہوں اور استعاروں کو استعمال کیا گیا ہے، شاعرانہ تجربات کا فطری اور لازمی حصہ سمجھ کر کیا گیا ہے

---

[1] چہار عنصر مخطوطہ ورق ۴۱ خدا بخش خاں لائبریری بانکی پور پٹنہ

[2] دیوان ص ۳۲۳

جن کو کسی حال میں خیالات سے جدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی شاعری رسم زمانہ کے برعکس ہے اور یہ بات واؔلہ کے صحت مند نظریہ کی علامت ہے۔ اس معاملہ میں بھی کہ وہ اپنے زمانہ کا پیشرو ہے اور فارسی شاعری میں صحیح اور درست رجحانات کا قائد ہے کیوں کہ انھی رجحانات نے آگے چل کر عہد قاچاریہ میں فارسی ادب و شاعری میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا جس کو آج کل کی زبان میں ترقی پسند تحریک کا نام دیتے ہیں یہاں ہم والہ ہروی کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جن سے قارئین حضرات کو اس کی شاعری کے سلسلے میں مذکورہ باتوں کا اندازہ ہو سکے ؎

چو باشد رگِ گردن و زورِ بازو — در افتاد گیہا بود پہلوانی
بعون ثنا کردہ در ملک نامہ — سخن نصب رایات صاحبقرانی
برافرافت فکر نصیری مناقب — درفشی بفوج ثنا کاویانی[1]

سادگی، روانی اور برجستگی کا کتنا عمدہ نمونہ مذکورہ اشعار میں پیش کیا گیا ہے؟ اپنے ممدوح کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کتنے اچھوتے انداز میں دعا گو ہے ؎

طفل بدخواہ تو اندر رحم مادر خویش — از نہیبِ تو کند شب ہمہ شب جای بدل
تا فنا را نبود شیوہ در آئینِ چو بقا — تا ابد را نرسد دست بدامانِ ازل
گلشن جاہ تو آسودہ ز دَبادِ زوال — فصل نوروز تو محفوظ ز تغییر عمل[2]

ذیل کے اشعار میں محبوب کی بے رخی اور اُس کے لئے قیامت کے روز اس کے جوابدہ ہونے سے بچنے کی دلیل ملاحظہ فرمائیں ؎

ایں قیامت بیں کہ چوں فکرِ جوابِ حشر داشت
در حسابِ کشتگانِ خود شمارِ ما نہ کرد

---

[1] دیوان مرتبۂ خاکسار: ص ۷۷، ۷۸ (پٹنہ یونیورسٹی لائبریری)

[2] ایضاً ص ۴۱

جای شادی از محبت دائم اندر دل نماند
از چه رو روزی توقف در دیار ما نه کرد[۱]

تلمیح کے برمحل استعمال پر غور فرمائیں ؎

تنہا نہ گل ز آمدنت در چمن شگفت | تا شاخسار سایۂ سرو سمن شگفت
چشمی براه مصر پر از اشک حسرت است | ہر نرگسی کہ از گل بیت الحزن شگفت[۲]

اپنی تعلی کس طرح کرتا ہے؟

عمر سخن دراز کہ تا حرف گفت و گوست | من یادگار اویم و او یادگار من
نخلی کشیدہ قامت باغ سخن منم | معنی و لفظ من ثمر و شاخسار من[۳]

چند اور اشعار ملاحظہ کریں ؎

پیغام وصل می رسد از ہجر دیدہ را | تقریر می کند سخن ناشنیدہ را
پوشید جامہ دختر رز تہ نما بہ بیں | مستوری لباسی گیسو بریدہ را
ای آنکہ یوسف از تو محبوس خانہ است | از بندہ بندگی برساں نور دیدہ را[۴]
موافق نیابی دمی ہمدمی را | اگر سر بعالم دہی عالمی را
فراق تو دامن نشیں کرد دل را | بطوفان آوردہ شبنمی را[۵]
پریشاں دماغی گر از عشق یابی | ترا ذوق زلف پریشاں نباشد
چہ تاثیر خواہی ازاں گریہ واکہ | کہ با اشک چشمی بداماں نباشد[۶]

---

[۱] دیوان مرتبۂ خاکسار، ص ۲۶۰ (پٹنہ یونیورسٹی لائبریری)
[۲] ایضاً ص ۲۲۷
[۳] ایضاً ص ۲۰۸
[۴] ایضاً ص ۲۰۰
[۵] ایضاً ص ۱۹۶
[۶] ایضاً ص ۲۰۱